© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

تغیر یا انقلاب کی عام طور پر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو آتش فشاں دھماکوں کے ساتھ آتا ہے۔ بڑی تندی اور تیزی کے ساتھ اٹھتا ہے اور پھر پوری قوت اور طاقت کے ساتھ پھیلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے اندھے دیکھتے، بہرے سنتے اور انجان سے انجان آدمی جانتے ہیں۔ اس سے پوری دھرتی ہلتی ہے، خون کی ندیاں بہتی ہیں۔ اس کی ہلاکت خیزیوں اور فتنہ سامانیوں کے گھر گھر تذکرے ہوتے ہیں۔ اس کی بڑھتی ہوئی یلغار کو دیکھ کر سارے انسانوں کے اندر ایک شدید اضطراب اور ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ انقلاب کی یہ قسم بلاشبہ بڑی خطرناک ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ ضرر رساں اور مہیب انقلاب کی وہ قسم ہے جو گھن کی طرح اندر ہی اندر قوموں کو کھا جاتی ہے، جو ایک خاموش آندھی کی طرح لوگوں کے دل کی بستیاں زیر و زبر کرتی ہے، افکار و نظریات کے چمنستانوں میں چل کر انہیں ویرانے بنا دیتی ہے، مقدس جذبات اور پاکیزہ احساسات کی لہلہاتی کھیتیوں کو لق ودق صحراؤں میں تبدیل کرتی ہے یا آتش خاموش کی طرح لوگوں کے خرمن ایمان کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے مگر انہیں خبر تک نہیں ہونے پاتی اور وہ آخر وقت تک اسی غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ ان کا کوئی زیاں نہیں ہو رہا بلکہ ان کے دینی سرمایے میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے

مسلمانوں کو گزشتہ دو سو برس میں انقلاب کی انہی دونوں قسموں سے سابقہ پیش آیا ہے پہلی قسم کے انقلاب سے ان کے ممالک تاخت و تاراج ہوئے، ان کے نوجوان موت کے گھاٹ اتارے گئے، ان کی عورتیں ذلیل و رسوا ہوئیں، ان کی آبرو لٹی اور ان کی عفت چھنی۔ ان کے امراء اور شرفاء کو ذلت کی اس حد تک پہنچا یا گیا جس کے بعد کوئی دوسری حد نہیں ہوتی۔ ان کے اندر الحاد اور بے دینی کو پھیلانے کی کوششیں کی گئیں۔ اس انقلاب سے بے شک اس قوم کے اندر زبردست تباہی اور بربادی آئی مگر یہ بربادی کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دبے پاؤں نہ آئی جسے کوئی جان نہ سکتا۔ یہ بربادی کپکپا دینے والی اور عقل و خرد کو مبہوت کر دینے والی گرج کے ساتھ آئی جس کے زلزلہ انگیز دھماکوں سے پہاڑوں کی چوٹیاں ہل گئیں۔ اسے سن کر ہر صاحب ایمان ہراساں اور پریشاں ہُوا اور اس نے کسی نہ کسی طرح اس کو روکنے کی کوشش کی۔

لیکن اس انقلاب سے کہیں زیادہ گہرا، کہیں زیادہ خوفناک اور کہیں زیادہ ہلاکت خیز وہ انقلاب تھا جو دبے پاؤں آیا جسے حسّاس سے حسّاس کان بھی مشکل سے سن سکے اور تیز سے تیز نگاہ بھی مشکل سے بھانپ سکی۔ اس انقلاب نے بڑی خاموشی کے ساتھ اپنا کام شروع کیا اور مسلم ممالک کو تاخت و تاراج کرنے کی بجائے مسلمانوں کے دل و دماغ اس طرح بدل دیئے کہ وہ اپنی بستیوں کو خود اجاڑنے لگے۔ بظاہر اس نے لوگوں کے دین و ایمان پر ڈاکہ نہ ڈالا مگر اندر ہی اندر سے اُسے بالکل کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔ اس کا اثر ان قلوب پر ہُوا جو اگرچہ سعادت و نجات کی راہ اسلام کو ہی سمجھتے تھے اور اس پر سختی سے کاربند بھی تھے مگر وہ اپنے اسلام کو الحاد کی دستبرد سے پوری طرح بچا نہ سکے۔ اور اُن کی مہر حدِ ایمانیات میں زندقہ اس طرح آہستہ آہستہ گھستا گیا اور اس کا زہر ان کے معتقدات کے رگ و پے میں اس خاموشی کے ساتھ سرایت کرتا چلا گیا کہ آج اگر ان کے مذہبی اصولوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جس چیز کو وہ حضرات اسلام کا نام دیتے ہیں اُسے اسلام سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ زمین کو آسمان سے۔ ان لوگوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اور ان کا مقصد وحید یہ ہے کہ اسلام کے اصولوں کو اپنی عقل کے مطابق یا زیادہ سے زیادہ حکمائے یورپ کے افکار کے مطابق ڈھالا جائے۔ یہ لوگ اپنی اس سعی کو خدمت اسلام سے تعبیر کرتے ہیں اور اسلام اور کفر کی آمیزش سے ایک ایسا معجونِ مرکب تیار کر رہے ہیں جس میں اگرچہ کچھ اجزا اسلام کے بھی ہیں مگر اس کی تاثیر بالکل غیر اسلامی ہے۔ ان صفحات میں ان لوگوں کے سارے معتقدات کا جائزہ تو نہیں لیا جا سکتا۔ یہاں ہم صرف ان کے چند گوشوں کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کراتے ہیں۔

مسلمان ہونے کے لیے جس کلمے کا زبان سے ادا کرنا اور دل سے اقرار کرنا ضروری ہے۔ وہ ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔ اس کلمے کا پہلا جزو ایمان باللہ ہے۔ خداوند تعالیٰ کی ہستی کو ماننے کے یہ معنی نہیں کہ ہم اسے محض ایک ایسی قوت تسلیم کر لیں جس نے کائنات کے اوّلین سامانات کی تخلیق کی اور اس غرض کو نہایت کامیابی سے سرانجام دینے کے بعد اب وہ خاموشی کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھے ہوئے اس ہنگامۂ خیر و شر کو دیکھ رہی ہے۔ اسلام میں خدا جبر و مقابلہ کا کوئی خار مولا نہیں بلکہ ایک حیّ و قیوم ہستی ہے جس نے نہ صرف اس کائنات کی تخلیق کی ہے بلکہ جس کا ارادہ اور مشیت اس کے ذرّے ذرّے میں کارفرما ہے۔ وہی اس کی تنہا خالق، مالک، مُدبّر اور حکمران ہے۔ یہ سارا کارخانۂ قدرت صرف اسی کے اشارۂ ابرو سے چل رہا ہے اس کے علاوہ یہاں کسی کو کوئی قدرت اور اختیار حاصل نہیں۔ وہ جس طرح چاہے کرے کوئی اس کی راہ روک نہیں سکتا۔ قرآن مجید میں اس موضوع پر بے شمار آیات ملتی ہیں۔ ان میں سے چند ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ أُمُّ الْكِتٰبِ (۱۳: ۶)	اللہ جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور ام الکتاب اُسی کے ہاتھ میں ہے۔
اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (۱۱: ۹)	بیشک تیرا پروردگار جو چاہتا ہے کرتا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (۵: ۱)	بیشک تیرا پروردگار جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔
اَلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا۔ (الفرقان ۱۔)	وہ ذات جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ ہی اس کی سلطنت میں کوئی اس کا شریک ہے۔ اس نے ہر شے کو پیدا کیا ہے اور پھر اُس کے لیے ایک اندازہ ٹھہرایا ہے۔
مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (الکہف ۔۴)۔	اس کے سوا بندوں کا کوئی ولی اور سرپرست نہیں اور نہ ہی وہ کسی کو اپنے فیصلوں میں شریک کرتا ہے۔

یہ سب آیات اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا صرف خالقِ اوّل ہی نہیں بلکہ آمر اور حاکم بھی ہے۔ اُسی کا حکم اس کائنات کے گوشے گوشے میں کارفرما ہے۔ اور کسی کی کوئی مجال نہیں کہ اُس سے سرِ مو انحراف کر سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خداوند تعالیٰ کی حاکمیت، عظمت اور قدرت کی وضاحت کے ساتھ ساتھ قرآن مجید ہمیں اس حقیقت سے بھی آشنا کرتا ہے کہ اُس عظیم ذات کا ہماری زندگی کے ساتھ ایک گہرا تعلق اور رابطہ ہے۔ وہ کوئی مجرد اصول نہیں بلکہ ایک ایسی ہستی جو ہر لمحہ اس کائنات کی نگرانی کرتی ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ (انعام - ۷)

اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بحر و بر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتا ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو اور زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــــُٔـــوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

(بقرہ - ۲۴۲)

اللہ وہ زندۂ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہ نہ سوتا ہے اور نہ اُسے اُونگھ لگتی ہے۔ زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے اُسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اُسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی واقف ہے اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفت ادراک میں نہیں آسکتی اِلّا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے۔ اُس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور ان کی نگہبانی اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے۔ بس وہی ایک بزرگ اور برتر ذات ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ

جو زمین میں گھستا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے، سب جانتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ - لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ - (حدید - ۱)

اور جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور تم جو کچھ کرو وہ اس کو دیکھتا ہے - آسمان اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور تمام کاموں کا مرجع وہی ہے -

---

مندرجہ بالا آیات پر پھر ایک نگاہ ڈالیے اور دیکھیے کہ قرآن پاک کس بلیغانہ انداز میں اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے سب خداوند تعالیٰ کے علم میں ہے - اس کے پیچھے تنہا اسی کی مشیت کام کر رہی ہے اور اس میں صرف اسی کا ارادہ کار فرما ہے - یہ کائنات اور اس کے ہنگامے علت و معلول کی کرشمہ سازیاں نہیں بلکہ ایک با اختیار ہستی کی منصوبہ بندیاں ہیں - وہی ذات ہے جس نے علت کو علت اور معلول کو معلول بنایا ہے - اس لیے علت و معلول کی حقیقت بھی انسان کو اس سے زیادہ کیا معلوم کہ بقول امام غزالیؒ ایک دوسرے کے بعد آتا ہے - اس کائنات میں اصل قوت اور طاقت صرف خداوند تعالیٰ کی ہے وہ اگر چاہتا ہے تو علت و معلول کی کڑیوں کو جوڑ کر انسانی سعی کو کامیاب بنا دیتا ہے اور اگر اس کا ارادہ نہیں ہوتا تو یہ سب تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور نتائج انسان کی منشا اور توقع کے بالکل برعکس برآمد ہونے شروع ہو جاتے ہیں -

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (یونس - ۱۱)

اگر اللہ تجھے مصیبت میں ڈالے تو خود اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت کو ٹال دے اور اگر وہ تیرے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں ہے - وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے -

پھر اسی حقیقت کو حضرت ہود علیہ السلام نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :

فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ اِنِّيْ

تم سب مل کر اپنی چالیں چل دیکھو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا - إِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ - (ہود - ۵)

میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی چوٹی اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔

سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کی قوت وطاقت کو اور انسانی معاملات پر اس کی کڑی نگرانی کو ان الفاظ میں ادا فرمایا گیا ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ - إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ - (۳)

کہو، خدایا! ملک کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

گذشتہ صفحات میں ہم نے قادرِ مطلق کی جس قدرت کا ذکر کیا ہے اُس سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم اس کائنات میں جبریت کے قائل ہیں۔ انسانی زندگی میں بلاشبہ جبر کا بھی ایک پہلو ضرور ہے مگر انسان کو ایک محدود حد تک اختیار بھی دیا گیا ہے تاکہ وہ اس دائرہ کے اندر رہ کر اپنی آزادی کو استعمال کر سکے۔ انسان کی یہی آزادی دراصل اُس کے شرف کی اساس ہے اور اسی سے اُس کے اندر ایک اخلاقی احساس جنم لیتا ہے۔ اگر یہ حس اس میں موجود نہ ہوتی تو ایک انسان اور حیوان میں قطعاً کوئی فرق نہ ہوتا۔

ان آیات کو یہاں درج کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم یہ معلوم کر سکیں کہ قرآن مجید کی رُو سے ذات باری تعالیٰ کوئی اندھا بہرا لزوم اور لگا بندھا ضابطہ نہیں بلکہ وہ ایک ایسی باشعور، علیم وخبیر اور زندہ جاوید ہستی ہے جس کے ساتھ ہمارا نہایت ہی گہرا رابطہ ہے ہم زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معاملات سے لیکر بڑے سے بڑے مسائل تک ہر قدم پر اُس کی توجہ کے محتاج ہیں۔ خداوند تعالیٰ محض تخیّل نہیں بلکہ ایک ذات ہے جس کے ساتھ ہمارا ذہنی اور قلبی دونوں طرح کا ہر گونہ تعلق ہونا چاہیے۔ سورۂ الشعراء میں دیکھیے فکر وجذبہ کے کس حسین امتزاج کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام بندے اور مالک کے اس باہمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلق کو بیان فرماتے ہیں۔ اور پھر اس میں یہ بھی دیکھیے کہ یہ تعلق کتنا قریبی ہے اور اس کے چشمے احساسات کی کن عمیق گہرائیوں سے ابل رہے ہیں۔

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ وَالَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ۔ (الشعراء۔ رکوع ۵)

(رب العالمین) جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے۔ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ جو مجھے موت دیگا اور پھر دوبارہ مجھ کو زندگی بخشے گا۔ اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روزِ جزا میں وہ میری خطا معاف فرما دیگا۔

خدا اور بندے کے اس باہمی رابطہ کی قرآن مجید مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے وضاحت فرماتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ اس کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ق-۲)

ہم نے انسان کو پیدا کیا اور جو باتیں اس کے جی میں آتی رہتی ہیں ہم اُن کو جانتے ہیں اور ہم اُس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر وہ اس تعلق کو یوں بیان کرتا ہے:

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ۔ (۲-۲۳)

اور اے نبیؐ، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتا دو کہ میں اُن سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔

پھر سورۂ نمل میں ایک نہایت لطیف پیرائے میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ خالقِ کائنات ایک نہایت ہی حسّاس ہستی ہے جو نہ صرف ہمارے دلوں کے اسرار کو جانتی ہے بلکہ ہماری ذہنی کیفیات اور قلبی واردات سے بھی پوری طرح واقف ہے اور جب ہم مضطرب اور پریشان ہو کر اُس کی طرف متوجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتے ہیں تو وہ ہمارے اس اضطراب کو پوری طرح محسوس کرتی ہے اور اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت اسے اطمینان سے بدل دیتی ہے۔ یہاں قرآن مجید استفہامیہ انداز اختیار کر کے اس حقیقت کو یوں ذہن نشین کراتا ہے:

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ (النمل-۶۲)

کون ہے جو بے قرار ہو کر پکارنے والے کی دعا سنتا ہے اور اس کی مصیبت ٹال دیتا ہے۔

قرآن مجید اور احادیث کے مختلف مجموعوں میں جو دعائیں منقول ہیں اُن پر ایک نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ خدا کے ساتھ ہمارے تعلق کی نوعیت کیا ہے۔ انسان صرف اسی کے در کا گدا، اسی کے آستاں کا سوالی، اسی کی رحمت اور بخشش کا امیدوار، اور اسی کے فضل کا محتاج ہے۔ اُس کے ساتھ ہمارا رشتہ براہِ راست مضبوط اور پائیدار ہے۔ انسان جب اُس کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مانگتا ہے تو وہ نہیں سمجھتا کہ وہ کسی بے جان تصوّر کے سامنے دستِ سوال دراز کر رہا ہے بلکہ وہ اس یقین کے ساتھ خدا کے سامنے اپنا دامن پھیلاتا ہے کہ وہ ایک زندہ جاوید ہستی ہے، اس کی رحمت بے پایاں اور اس کے خزانے بے حد و حساب ہیں۔ وہ ہماری پکار کو سنتا ہے اور جو کچھ ہم اس سے طلب کرتے ہیں وہ اگر اسے ہمارے حق میں نافع سمجھتا ہے تو اس سے ہمیں نوازتا ہے اور بسا اوقات ہماری طلب سے کہیں بڑھ کر ہمیں دیتا ہے۔ ہمارے اور اُس ذات کے درمیان جو رشتہ موجود ہے اُسے علت و معلول کی کڑیوں نے ترتیب نہیں دیا بلکہ اس کی نوازشوں اور اس کی رحمتوں سے اس کا تانا بانا بنا گیا ہے۔ آپ قرآن مجید اور حدیث کی چند دعائیں ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ احساسِ بندگی، اطاعت اور فرمانبرداری کے علاوہ کس قدر دل آسا، خیال انگیز اور درد مندانہ کیفیت کا نام ہے جو جذبات اور درد و شوق کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کو اختیار کر لینے کے بعد انسان کے اندر کس طرح اپنی شکستگی و درماندگی، عاجزی و بے چارگی، بیکسی و بے بسی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ کس جذب و شوق کے ساتھ اپنے خالق اور مالک کی طرف رجوع کرتا ہے:

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔

اے ہمارے رب تو ہمیں وہ عطا کر جس کا اپنے رسولوں کی معرفت تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور ہمیں قیامت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(آل عمران-۱۱)

دن رسوا نہ کر، تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ۔ (اعراف-۹)

اے اللہ تو ہمارا کارساز اور مددگار ہے بس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر، تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے۔

رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيرًا ۔ (بنی اسرائیل-۹)

پروردگار مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک قوت کو میرا مددگار بنا دے۔

حضور سرورِ کائنات سے جو دعائیں مروی ہیں ان کو دیکھنے سے آنکھوں کے سامنے خود بخود یہ نقشہ اُبھر آتا ہے کہ خالق کا ایک عاجز بندہ اپنے قادر و قاہر مولا سے اس امید کے ساتھ مانگ رہا ہے کہ اُس کے دروازے سے آج تک کبھی کوئی ناکام نہیں گیا۔ بندہ قلبی اضطراب کے ساتھ مانگتا ہے تاکہ مالک الملک اُسے مضطرب دیکھ کر اس پر رحم فرمائیں۔ وہ اس کے سامنے سرِ نیاز خم کر کے اس سے طلب کرتا ہے کیونکہ اُس ذات کے علاوہ اس کائنات میں وہ کسی دوسری ہستی کو حاجت روا نہیں مانتا۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ اُن تمام مناجات کو نقل کیا جا سکے۔ ہم صرف دو دعائیں نقل کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ ایک مومن صادق کو اپنے خالق اور مالک کے ساتھ کس قسم کا تعلق خاطر قائم کرنا چاہیے اور اس ذات کے بارے میں اُس کے احساسات اور جذبات کی کیا نوعیت ہونی چاہیے:

اللهم انك تسمع كلامي وترى مكاني وتعلم سري وعلانيتي لا يخفى عليك شيء من امري وانا البائس الفقير المستغيث المستجير الوجل المشفق المقر المعترف بذنبي اسالك مسألة المسكين وابتهل اليك ابتهال المذنب الذليل وادعوك دعاء

اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے تو میرے پوشیدہ اور ظاہر دونوں سے واقف ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی ہیں، میں مصیبت زدہ محتاج فریادی ہوں ترساں و ہراساں اور اپنے گناہ کا اقرار کرنے والا ہوں میں ایک بیکس کی طرح تیرے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہوں، اور ایک ذلیل گناہ گار کی طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الخائف المستجیر ودعاء من خضعت لك رقبته وفاضت لك عبرته وذلّ لك جسمه ورغم لك انفه اللهم لا تجعلنی بدعائك شقیاً وکن بی رءوفاً رحیماً، یا خیر المسئولین ویا خیر المعطین!

تیرے سامنے گڑگڑاتا ہوں اور ایک خوف زدہ اور آفت رسیدہ کی طرح تجھ سے طلب کرتا ہوں۔ وہ جس کی گردن تیرے حضور میں جھکی ہوئی ہے جس کے آنسو بہہ رہے ہیں، جو تیرے سامنے فروتنی کیے ہوئے ہے اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑتا ہے۔ بارالٰہا! مجھے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں رحمت اور شفقت اختیار کر، اے اُن سب سے بہتر جن سے مانگا جائے اور عطا کرنے والوں میں سب سے ارفع و اعلیٰ ذات۔

اللهم الیك اشکو ضعف قوتی وقلة حیلتی وهوانی علی الناس یا ارحم الرّاحمین الیٰ من تکلنی الی عدو یتجهمنی او الی قریبٍ ملّکته امری۔ ان لم تکن ساخطاً علیّ فلا ابالی غیر ان عافیتك اَوسع لِی۔

بارالٰہا! میں تجھی سے شکایت کرتا ہوں اپنے کمزور ہونے کی، ساز و سامان کی قلت کی اور لوگوں کی نظر میں کم وقعتی کی اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے تو مجھے کس کے سپرد کرتا ہے، کسی دشمن کے کہ مجھ سے سینہ زوری کرے اور مجھے ستائے یا کسی عزیز کے کہ جس کے سپرد میرے سب کام کر دیے جائیں اگر تو ناراض نہ ہو تو مجھے کچھ پروا نہیں مگر پھر بھی تیری عافیت میں میرے لیے زیادہ فراخی ہے۔

آپ ان مناجات کو بار بار پڑھیں اور دیکھیں کہ یہ احساسات کس توکل، ورع، خشیت، عجز و انکسار اور رقتِ قلب کے آئینہ دار ہیں۔ اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی دیکھیے کہ خداوند تعالیٰ سے مانگنے والا گو اپنے آپ کو اُس کے سامنے بالکل حقیر پاتا ہے مگر اس کے دل کی گہرائیوں میں اُس مالک اور خالق کی قربت کا کس قدر شدید احساس بھی موجود ہے۔ اسے اُس کی رحمت پر کتنا زبردست بھروسا ہے۔ وہ یوں محسوس کرتا ہے کہ وہ خود اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہو کر، اس سے گڑگڑا کر مانگ رہا ہے۔ کیا اس قسم کے احساسات کسی تصوریا نظریہ یا فارمولا کے متعلق بھی پیدا ہو سکتے ہیں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا اور بندے کے باہمی تعلق کے بارے میں ہم نے اوپر جو کچھ عرض کیا ہے اُس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم قوانینِ فطرت کے اندر کوشش اور جد و جہد کو عبث اور بیکار سمجھتے ہیں اور اس بات کے خواہاں ہیں کہ مسلمان ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیں۔ نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ہماری ان گزارشات کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسانوں کو زندگی کے سارے میدانوں میں جد و جہد کرنی چاہیے مگر اس سعی و جہد کے بعد ترتیبِ نتائج کے لیے مشیتِ ایزدی کی طرف بھی رجوع کرنا ازبس لازمی ہے۔ ہم یقیناً گمراہ ہوں گے اگر اپنی ساری کوشش صرف علت و معلول کی کڑیاں جوڑنے میں صرف کرتے رہیں اور اس علت العلل اور اُس مسبب الاسباب سے کوئی تعلق استوار کرنے کی فکر نہ کریں جو اِن کے اندر ربط پیدا کر کے ہماری سعی و جہد کو ٹھکانے لگاتا ہے یا ہماری کوششوں کو اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت ہماری نظر میں ناکام بنا دیتا ہے۔

خداوند تعالیٰ کی ذات اب مسلمانوں کی عظیم اکثریت کی نظر میں مجرد ایک تصور، ایک لگا بندھا اصول، ایک غیر تبدیل قانون یا علت و معلول کا ایک طلسمِ ہوشربا بن کر رہ گئی ہے۔ ہم میں سے ایک معقول تعداد ہر روز ایاک نستعین سے اس کا زبانی اقرار تو کرتی ہے لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ نہ تو خدا کی مدد پر ہم بھروسہ رکھتے ہیں اور نہ ہی ہمارا کسی کام میں اس کی طرف سے خیر و برکت پر ایمان ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دنیا صرف عالمِ اسباب ہے اس لیے کامیابی اور کامرانی کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ مادی اسباب و ذرائع جمع کریں۔ اگر اس مقصد میں کامیاب ہوں تو اس کامیابی کو اپنی قوتِ بازو اور حسنِ تدبیر کی کرشمہ سازی خیال کریں اور کہیں ناکامی ہو تو علت و معلول کی کڑیوں کا معائنہ شروع کر دیں اور اگر وہ ڈور بھی کچھ ایسی الجھی ہوئی ہو کہ سرا نہ ملے تو اس ناشدنی واقعہ کو اتفاق سے تعبیر کر کے خاموش ہو جائیں مگر کبھی اُس ذات کی طرف رجوع نہ کریں جو اس کائنات کی مالک ہے۔ بہترین اسباب و وسائل، بہترین قوتیں اور اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق بہترین ذرائع فراہم کرنا بلاشبہ زندگی میں نہایت ضروری چیزیں ہیں مگر ان سے کہیں زیادہ ضروری خداوند تعالیٰ کے حضور میں سرِ نیاز خم کرنا اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنا بھی ہے۔

اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ ۔۔۔ میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں یقیناً اللہ اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بِالْعِبَادِ (۴۰ : ۵) بندوں کا نگراں ہے۔

اسے ہماری بدقسمتی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے ایمان باللہ کے دعوے کے باوجود خدا کے ساتھ عبودیت کا وہ رشتہ استوار نہیں کیا جو فی الواقع ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ہر وقت اسباب کی دنیا میں کھوئے رہتے ہیں یا علت و معلول کی محسوس کڑیوں کو جوڑنے میں اپنی ساری قوتیں کھپا دیتے ہیں مگر ہمیں کبھی اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا کہ اس عالم اسباب کے پیچھے ایک اخلاقی نظام بھی کارفرما ہے۔ اور یہاں خدا کی مشیت اور ارادے کو بھی پورا پورا دخل ہے۔

آپ ذرا ان سارے پروگراموں، اسکیموں اور منصوبہ بندیوں کا جائزہ لیں جو ملک و ملت کی ترقی اور فلاح بہبود کے لیے تیار کی جا رہی ہیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں ذرائع و وسائل کو جمع کرنے کی تو ساری مدیں موجود ہیں لیکن اگر کوئی مد خارج از بحث ہے تو وہ صرف رجوع الی اللہ ہے۔

ہمارے سامنے اس وقت اُس پانچ سالہ منصوبے کی کاپیاں پڑی ہوئی ہیں جو ہم نے اپنی قوم کا معاشی معیار بلند کرنے کے لیے تیار کیا ہے۔ اس منصوبہ میں اغراض و مقاصد سے لیکر زراعت، صنعت و تجارت اور بیکاری، قدرتی ذرائع اور آبادی الغرض ہر اُس چیز پر بڑی تفصیل سے بحث کی گئی ہے جس سے کسی قوم کے وسائلِ رزق میں اضافہ ہو سکتا ہے لیکن اگر کسی پہلو کو ناقابلِ التفات سمجھا گیا ہے تو وہ اخلاقی اور روحانی پہلو ہے۔ ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اگر ہمارے ہاں رزق کی تنگی ہے تو اس کے کچھ مادی وجوہ ہیں یعنی ہمارے ہاں لوہے اور کوئلے کی کمی ہے، ہمیں غیر ملکی زرِ مبادلہ دوسری اقوام کی نسبت کم فراہم ہوتا ہے، ہمارے ملک کی آب و ہوا ایسی ہے کہ لوگ اچھی طرح محنت و مشقت نہیں کر سکتے، ہماری پٹ سن کی قیمت دنیا کی منڈیوں میں گر رہی ہے۔ ہمارے پہاڑوں پر درخت موجود نہیں اور اس بنا پر ہر سال سیلاب آ جاتے ہیں۔ ہماری آبادی بڑی سرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے لہٰذا ہمیں اپنی قوم کا معیارِ زندگی بلند کرنے کے لیے ان سارے امور کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ پھر اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے جو منصوبے تیار ہوتے ہیں ان میں یہ طے کیا جاتا ہے کہ معیارِ زندگی بلند کرنے کے لیے آبادی کو برتھ کنٹرول کے ذریعے روکا جائے، کوئلے کی کمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بجلی کے ذریعہ پورا کیا جا سکتا ہے۔ پہاڑوں پر زیادہ سے زیادہ درخت اگانے چاہییں اور اس ملک میں جلد از جلد صنعتوں کا ایک وسیع جال پھیلانا چاہیے تاکہ غیر ملکی زرمبادلہ بچایا جا سکے۔ یہ ساری چیزیں اپنی جگہ مؤثر ہو سکتی ہیں لیکن ہم اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ خداوند تعالیٰ جس نے اسباب کی یہ دنیا پیدا کی ہے اور جس نے ہمیں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں بخشی ہیں، اسی نے تنگیٔ رزق کے کچھ اخلاقی اور روحانی وجوہ بھی بیان کیے ہیں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمیں انہیں بھی اپنی نگاہ میں رکھنا چاہیے اور انہیں اپنے منصوبوں اور اسکیموں میں اتنی ہی اہمیت دینی چاہیے جس کے وہ حامل ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن مجید نے رزق کی تنگی کا ایک بہت بڑا سبب خداوند تعالیٰ سے غفلت اور بے تعلقی کو قرار دیا ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (طٰہٰ: ۷)

اور جس نے میری یاد سے روگردانی کی اس کے لیے معیشت تنگ ہو جاتی ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

قرآن پاک میں جا بجا معاشی خوش حالی و فارغ البالی کا ایمان و تقویٰ کی زندگی ہی پر وعدہ فرمایا گیا ہے۔ سورہ اعراف میں ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۤءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (رکوع ۱۲)

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے، مگر انہوں نے جھٹلایا، لہٰذا ہم نے اُن کی کمائی کے حساب میں انہیں پکڑ لیا جو وہ سمیٹ رہے تھے۔

ایک جگہ اہل کتاب کے بارے میں خصوصیت سے ارشاد ہے کہ:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ط (المائدہ-۹)

اگر یہ لوگ توریت و انجیل اور جو کچھ خدا کی طرف سے اترا اس کی پوری پابندی کرتے تو اوپر اور نیچے ہر طرف سے خوب کھانے پینے کا سامان پاتے۔

سورۃ ہود کے شروع میں حضور سرورِ دو عالم کی زبان سے ارشاد ہے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى (رکوع ۱)

اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک مدت تک تم کو اچھا سامانِ زندگی دیگا۔

پھر اسی حقیقت کو حضرت ہود علیہ السلام کی زبان سے یوں اُجاگر کیا گیا ہے:

وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ (ہود۔ ۵)

اے میری قوم والو اپنے پروردگار سے (اپنی گزشتہ نافرمانی) کی معافی مانگ کر پھر اس کی طرف پلٹ آؤ (از سر نو اس کی فرمانبرداری کا تہیہ کر لو) تو وہ تم پر آسمان کے دہانے کھول دیگا اور تمہاری قوت پر مزید قوت کا اضافہ کریگا مجرم ہو کی طرف منہ نہ پھیرو۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا (نوح ۔ ۱)

اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی چاہو۔ وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے (کہ معاف کر دینے کے بعد) تم پر خوب بارانِ رحمت بھیجے اور تمہارے اموال و اولاد میں ترقی دیگا اور تمہارے لیے باغ لگا دیگا اور نہریں جاری کر دیگا۔

یہ سب آیات اس حقیقت کی شاہد ہیں کہ آخرت ہی میں نہیں بلکہ اس عالم اسباب میں بھی قوموں کی قسمتوں کے فیصلے دنیاوی مال و متاع پر نہیں بلکہ اخلاقی بنیادوں پر کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو اس کائنات کا مالک اور حاکم ہے اس نے اس دنیا میں مادی وسائل کا انتظام تو کیا ہے اور ان میں علت و معلول کے محسوس رشتے بھی قائم فرمائے ہیں مگر جن قوانین کے ذریعہ وہ اس کائنات کا انتظام چلا رہا ہے وہ مادہ کے بے حس اور میکانکی ضابطے نہیں بلکہ اخلاقی اصول ہیں۔ اگر کسی قوم پر رزق تنگ کر دیا جاتا ہے تو اس کی وجہ لازمی طور پر وسائل کی کمی یا سرمایہ کی قلت نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ قدرتی ذرائع و وسائل کی فراوانی کے باوجود اس پر ذلت و مسکنت چھا جاتی ہے اور غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلند و بالا ذات مادی اسباب و نتائج سے یکسر بے پروا ہو کر کچھ دوسرے اصولوں کے تحت اس دنیا کا نظم چلا رہی ہے۔ مثلاً ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی ملک میں قحط پڑ جائے تو اس کا سبب بجز اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اس کے باشندوں نے فصل کی اچھی طرح دیکھ بھال نہیں کی یا آبپاشی کا معقول انتظام نہیں کیا جاسکا۔ اس لیے جب بھی اس کی روک تھام کی ہمیں فکر لاحق ہوتی ہے تو ہماری توجہ پھر پھر کر مادی اسباب کی طرف ہی پلٹتی ہے۔ ہم چونکہ اسے معاشی کوتاہیوں کا ہی نتیجہ سمجھتے ہیں اس بنا پر اس کے تدارک کے لیے بھی لازمی طور پر معاشی تدابیر پر ہی انحصار کیا جاتا ہے۔ ہمیں کبھی بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ خشک سالی کے کچھ اخلاقی وجوہ بھی ہو سکتے ہیں اس لیے ہم ان کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے اور ہمیشہ مادی ذرائع و وسائل کو جمع کرنے اور انہیں نئے نئے طریقوں سے استعمال کرنے میں اپنی صلاحیتیں کھپاتے ہیں۔ ہم زبان سے خواہ خدا کو مانتے رہیں لیکن فکر و عمل سے بہر حال یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ کائنات صرف مادی اسباب و وسائل کا ایک وسیع اور پیچیدہ طلسم ہے جو غیر محدود زمان و مکان میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کا اوّل تو کوئی خالق نہیں اور کبھی تھا بھی تو عرصہ ہوا مستعفی ہو چکا ہے (العیاذ باللہ) اور اب اس کی صرف یاد باقی رہ گئی ہے۔ ہمارا یہ طرز عمل انتہائی افسوسناک ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ انسانوں کو بسا اوقات اخلاقی عیوب اور برائیوں کی پاداش میں مختلف مصائب و شدائد میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ مثلاً حضور سرور دو عالم نے فرمایا:

ما من قوم يظهر فيهم الزنا الا اخذوا بالسنة وما من قوم يظهر فيهم الرشا الا اخذوا بالرعب۔ رواہ احمد۔ (مشکوٰۃ کتاب الحدود)

کسی قوم میں جب زنا پھیل جاتا ہے تو اسے قحط سالی کی مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے اور رشوت کی گرم بازاری ہوتی ہے تو اس پر خوف طاری کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح ہم صبح و شام دن میں کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ کو رب العالمین کہہ کر پکارتے ہیں مگر ہمیں یقین نہیں آتا کہ وہ واقعی ہمارا پالنہار ہے۔ اگر ہمارا فی الحقیقت اس کی ربوبیت پر ایمان ہوتا تو ہم مادی وسائل و اسباب جمع کرنے سے کہیں زیادہ اس کو راضی کرنے کی فکر کرتے کیونکہ رزق کی ساری کنجیاں تو اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جس کا رزق چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے غربت اور افلاس میں مبتلا کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com